شمس العلما سید ممتاز علی کی شخصیت

اور

علمی ، ادبی و صحافتی خدمات

تحقیقی مقالہ برائے

پی- ایچ ڈی ڈگری - پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۴۴۳۱۴

مقالہ نگار :

نازنین اختر

ایم اے (- اردو)

نگران مقالہ :

جناب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

صدر شعبۂ اردو - اقبالیات

اسلامیہ یونیورسٹی ، بہاولپور -

xxxxx

مقالہ ھذا کی اجازت پنجاب یونیورسٹی سے بذریعہ مراسلہ نمبر ۹۳۲ جی ایم کے تحت حاصل کی گئی -

فہرست مضامین

نمبر شمار	ابواب		صفحہ
۱-	دیباچہ		الف ب
۲-	باب اول :	حیات و شخصیت	۱-۳۴
۳-	باب دوم :	تحریک اصلاح نسواں اور سید ممتاز علی	۳۵-۱۱۲
۴-	باب سوم :	علمی و ادبی خدمات (حصہ اول) اہم کارنامے	۱۱۳-۱۳۶
۵-	باب چہارم :	علمی و ادبی خدمات (حصہ دوم) تالیفات ، تراجم ، درسیات و متفرقات وغیرہ	۱۳۷-۱۹۶
۶-	باب پنجم :	سید ممتاز علی کی صحافتی خدمات	۱۹۷-۲۲۱
۷-	کتابیات -		۲۲۲-۲۳۰

دیباچہ

شمس العلما سید ممتاز علی تحریک سرسید کے وہ نمایاں کارکن ہیں ، جنہوں نے لاہور میں رہ کر قومی و ملی خدمات انجام دیں - ۱۸۹۸ء میں خواتین کے شرعی حقوق کی وضاحت کے لئے انہوں نے " حقوق نسواں " لکھی اور " تہذیب نسواں " کے ذریعے تعلیم و اصلاح نسواں کے لئے اپنی جد و جہد کا آغاز کیا تو معاشرے کی جانب سے لعنت و ملامت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا لیکن انہوں نے ہر مخالفت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے دن رات محنت کرتے رہے -

سید ممتاز علی اچھے مصنف اور ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ بہترین صحافی بھی تھے - انہوں نے علمی و ادبی صحافت کی ایسی مضبوط روایت قائم کی جس نے مدتوں تک نئے آنے والوں کی رہنمائی کی -

اس مقالے کے سلسلے میں مواد کی فراہمی بہت بڑا مسئلہ تھا - چنانچہ کراچی کی انجمن ترقی اردو لائبریری اور ایجوکیشنل لائبریری سے سید ممتاز علی کی چند اہم تصانیف کے علاوہ " تہذیب نسواں " کی کچھ جلدیں دیکھنے کا موقع ملا اور کتب خانہ مجلس ترقی ادب لاہور ، ریڈیو پاکستان لائبریری ، کتب خانہ عجائب گھر اور پنجاب پبلک لائبریری سے بھی استفادہ کیا گیا -

[illegible] ٹائپ کے دوران میں [illegible] احتیاط اور توجہ سے کام نہیں لیا گیا، لہٰذا، سہواً جو رہ گیا تھا اسے مکمل کر دیا گیا ہے -

مجھے امید ہے کہ میری اس طالبعلمانہ کوشش کی حوصلہ افزائی ضرور ہو گی؛ میں نے اس موضوع کا حق ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے -

مولوی صاحب کے بارے میں بہت اہم معلومات و مآخذ مجھے نعیم طاہر صاحب کے کتب خانے اور ان کے دیگر افراد خاندان سے حاصل ہوئے - میں نعیم طاہر صاحب ، بیگم یاسمین طاہر اور محترمہ حجاب امتیاز علی کی تہہ دل سے ممنون ہوں -

مین استاد محترم ڈاکٹر افتخار احمد صاحب قبلہ کی بے حد شکر گزار ہون جنہون نے اپنی بہت سی منصبی مصروفیات کے باوجود خطوط کے ذریعے بھی میری رہنمائی فرمائی -

مین ڈاکٹر معین الرحمن اور ڈاکٹر مظفر عباس صاحب کی ممنون ہو ن جنہون نے مسودہٴ دربار اکبری سے استفادے کے لئے ہر ممکن مدد کی یہ علیحدہ بات ہے کہ مین بہت سے پاپڑ بیلنے کے باوجود حسب منشا فائدہ نہ اٹھا سکی -

آخر مین اراکین پنجاب یونیورسٹی لائبریری بالخصوص استاد محترم جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کے علمی تعاون کی شکر گزار ہون-

نازنین اختر

• شاد •

باب ـــ اوّل

حیات و شخصیت

حیات و شخصیت

خاندانی لحاظ سے شمس العلما سید ممتاز علی کا سلسلۂ نسب حضرت امام رضاؑ سے جا ملتا ہے ۔ ان کے جدّ اعلی اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے جگادھری ضلع انبالہ کے قریب آباد ہو گئے تھے ۔ ان کی دو تین نسلیں یہیں پھلی پھولیں ۔ اس خاندان کے ایک بزرگ میر ہاشم، دیوبند جا کر بس گئے ۔ ان کے بھانجے میر ستّار علی ، (میر صاحب کے جدّ بزرگوار) نواب بہادر گڑھ کے وزیر اعظم تھے ۔ سیّد ممتاز علی کے والد ، سید ذوالفقار علی انہی کے صاحبزادے تھے ۔ ذوالفقار علی نے سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے عربی کی تعلیم حاصل کی اور قدیم دلّی کالج کے اساتذہ مولوی امام بخش صہبائی و مولوی مملوک علی سے بھی فارسی و عربی میں استفادہ کیا ۔ پہلے پہل وہ شملہ میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے ۔ ضلع گجرات میں سررشتہ دار کی آسامی پر رہے اور راولپنڈی میں تحصیل دار مقرر ہونے کے بعد اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر فائز ہوئے اور اس طرح مختلف حیثیتوں سے پنجاب کے متعدد اضلاع میں انہوں نے فرائض منصبی انجام دیئے ۔ ان کے دوستوں میں مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر اور شیخ الہند اسیر مالٹا سید محمود الحسن کے والد بھی قابل ذکر ہیں [1] سید امتیاز علی تاج کے ایک معمر بزرگ سید سردار علی فرماتے ہیں کہ سید ذوالفقار علی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں پہلی زوجہ سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے تھے جن کے نام بلحاظ ترتیب درج کیے جا رہے ہیں ۔ ۱۔ سید نیاز علی (دروغہ جی کے نام سے مشہور تھے) ۲۔ امۃ النسا ۳۔ سید ممتاز علی ۴۔ سید اعجاز علی ۵۔ بی جان ۶۔ زیب النساء ۔ دوسری شادی جلال پور جٹاں کی خاتون طالع بی بی سے کی جن سے ایک لڑکا سید سرفراز علی اور ایک لڑکی سرور تھی جس کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا [2] سید سردار علی

۱۔ عبدالمجید سالک ۔ یاران کہن ، ص ۵۷ ، ۵۸ ۔
حفیظ جالندھری ۔ " مولوی سید ممتاز علی " مشمولہ تہذیب نسواں ، جولائی ۱۹۳۵ء، ص ۲۰۹، ۲۱۰
سر محمد یعقوب ۔ شمس العلما مولوی سید ممتاز علی صاحب مرحوم ، ایضاً ۔ ص ۲۲۵ ۔

۲۔ بیان سید سردار علی ۔

کے اس بیان کی تصدیق سید ممتاز علی کے ایک مکتوب بنام سجاد حیدر یلدرم سے بھی ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ میں کئی بھائی بہن تھے ۔[1] ذوالفقار علی کے پوتے سید امتیاز علی تاج نے بھی اپنے والد سید ممتاز علی کی مانند ادب میں ایک مستقل مقام پیدا کیا ۔

شمس العلما سید ممتاز علی ۲۷/ستمبر ۱۸۶۰ء کو بروز عید میلاد النبی راولپنڈی میں پیدا ہوئے ۔[2] ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز پانچ برس کی عمر میں میاں سید عبداللہ شاہ عرف منے شاہ کے مکتب (دیو بند) سے ہوا اور پارہ عم و پارہ الم ، خالق باری اور کریما شاہ صاحب کی نگرانی میں ختم کیں ۔ بعد ازاں سید ذوالفقار علی نے آپ کو راولپنڈی بلا لیا اور بڑی ہی توجہ سے ان کے تعلیمی سلسلے کو آگے بڑھایا ۔ ابھی وہ تین سپاروں سے آگے نہ بڑھ پائے تھے کہ عربی صرف و نحو کی تعلیم کا آغاز ہو گیا ۔ شافیہ و شرح ملا سے فراغت پاتے ہی فارسی میں تصانیف ابوالفضل و سکندر نامہ [illegible] اور علوم فقہ و منطق کا مطالعہ کیا ۔

انہی دنوں مولوی صاحب کے والد نے موضع غورغشی[3] کے ایک جید عالم ، ملا فیضی سے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے درخواست کی لیکن ملا جی نے یہ خدمت اپنے بھائی کے سپرد کر دی اور اپنے حلقۂ درس کو جاری رکھا ۔ ممتاز علی نے فقہ میں کنز الدقائق اور منطق کی کتابیں میر قطبی تک انہی سے پڑھیں ۔ ۱۸۷۳ء میں والدہ کا انتقال ہو گیا ، اس حادثے سے وہ بہت رنجیدہ تھے لہذا انہیں دیو بند کے مدرسہ عربی میں داخل کر دیا گیا ۔ اس مدرسے میں مولوی صاحب نے مدرس اعلی مولوی محمد یعقوب نانوتوی ، مولوی سید احمد دہلوی ، ملا محمود دیوبندی اور مولوی محمد صدیق امیٹھوی سے علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کی اور بانی مدرسہ عربی مولانا محمد قاسم نانوتوی کی صحبت میں رہے نیز ان کے مواعظ حسنہ سے بھی استفادہ کیا ۔ اسی مدرسے میں شیخ الہند محمود الحسن اسیر مالٹا سے ان کی دوستی پروان چڑھی ۔ انہی دنوں ان کے والد سید ذوالفقار علی

۱۔ بحوالہ مکتوب سید ممتاز علی مشمولہ کارجہان دراز ہے ، ص ۱۸۲ ۔

۲۔ حفیظ جالندھری ۔ تہذیب نسواں ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۲۰۸ ، عبدالمجید سالک ۔ یاران کہن ، ص ۵۸ ۔

۳۔ موضع غورغشی حسن ابدال کا مضافاتی علاقہ ہے ، ملا فیضی کے درس کا شہرہ دور دور تک تھا حتی کہ کابل ، بلخ و بخارا کے طلبا بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے (راقم) ۔

فیروز پور میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہو گئے - ابھی وہ ادبی کتب بھی ختم نہ کر پائے تھے کہ والد نے دیو بند سے واپس اپنے پاس بلا لیا - ۱۸۷۳ء میں اتالیق کی مدد سے انگریزی تعلیم کا آغاز کیا اور دو سال میں مڈل کا امتحان پاس کر لیا - ۱۸۷۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لاہور میں داخلہ لے لیا -[۱] میٹرک پاس کرنے کے بعد اعلیٰ ثانوی تعلیم (ایف اے) کا آغاز گورنمنٹ کالج لاہور سے کیا - اس بات کی تصدیق " حیات جاوید " کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ ۱۸۷۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے ذہین طالب علم نے سرسید کی مذہبی اصلاح کے بارے میں ایک معترض مرزا صاحب کو " علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ " کے ذریعے نہایت ہی پرمغز جواب دیا تھا جس کی صداقت کو حالی نے بھی تسلیم کیا ہے -[۲] یہ وہی زمانہ ہے جب سرسید کے زیر تربیت ممتاز علی کا تشکک اصلاح پذیر ہوا - وہ ان کے مشن کی تائید میں مضامین لکھ رہے تھے اور مخالفین کو مدلل و شافی جواب بھی دے رہے تھے -[۳] ان کے ایک مضمون کے بارے میں خود سرسید فرماتے ہیں :

" مضمون پہنچا ، جس کے پڑھنے سے میری دلخواہی ہوئی ، میرے دل کو تقویت ہوئی ..... میں نے ایک جلسہ میں کہا تھا ..... کہ ہماری قوم لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پر یقین رکھے اور عزت و ترقی پاوے ..... محض حماقت کی سمجھ ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ میں کوئی علیحدہ فرقہ قائم کرتا ہوں ..... میں تو جو فرقہ اسلام سے باہر جانا چاہتے ہیں ان کو ملا رکھنا چاہتا ہوں ..... آپ کا مضمون جو کہ خاص میری نسبت تھا - میں نے ہر چند چاہا کہ اس کے چھاپنے کا قصد نہ کروں - مگر وہ ایسا دل میں بیٹھ گیا اور اس کی سچائی کا ایسا دل پر اثر ہوا کہ چھاپنے پر مجبور ہوا - شاید آپ نے میرے دل کو تراش کر

۱- بحوالہ حفیظ جالندھری : " مولوی سید ممتاز علی " مشمولہ تہذیب نسوان ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۶۰۹ ، ۶۱۰ -

۲- بحوالہ حیات جاوید ، ص ۵۶۳ ، ۵۶۵ -

۳- " مولوی سید ممتاز علی " مصنفہ حفیظ جالندھری مشمولہ تہذیب نسوان جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۶۱۲ -

یہ مضمون لکھا ہے ۔ ۰۰۰۰ اس شذبہ کے بعد جو شذبہ ہوگا اس
دن کے اخبار میں چھپے گا " ۔[1]

(مرسلہ ۲۹ نومبر ۱۸۷۸ء)

اس کے علاوہ حفیظ جالندھری نے سید ممتاز علی اور محمد حسین آزاد کا سنہ ملاقات بھی ۱۸۷۸ء تحریر کیا ہے اور یہ اس امرکی دلیل ہے کہ دونوں حضرات گورنمنٹ کالج لاہور میں استاد شاگرد کی حیثیت سے ملے ۔[2] محمد حسین آزاد کا رجسٹر حاضری (گورنمنٹ کالج لاہور ۱۸۸۲ (۱۸۸۱ء) ء) دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید ممتاز علی اس وقت سال چہارم کے طالب علم تھے اور آزاد سے عربی پڑھا کرتے تھے ۔ حفیظ جالندھری اور عبدالمجید سالک کے مطابق انہوں نے یہ امتحان ۱۸۸۲ء میں دیا اور ناکامی کے بعد دستبردار ہو گئے[3] لیکن خطوط سرسید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء میں بھی امتحان دیا لیکن کامیابی نہ ہوئی ۔[4]

اوائل عمر میں ممتاز علی کا عیسائیوں سے بہت زیادہ میل جول تھا حتی کہ اپنے والد کے ایک عیسائی دوست کی نگرانی میں بھی رہے ، اس لئے ان کو مسیحیت کے متعلق سوچنے سمجھنے اور کتب پڑھنے کا موقع ملا ۔ ان دنوں لاہور مسلم ، عیسائی مناظروں کا گڑھ بنا ہوا تھا ۔ سیدممتاز علی ان مباحث میں بےحد دلچسپی محسوس کرتے تھے اور یہ شغف اتنا بڑھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں آپ نے فن مناظرہ پر مولوی رحمت اللہ ، ڈاکٹر وزیر خان ، مولوی حامد حسن اور مشہور عالم حافظ ولی اللہ لاہوری اور امام فن مناظرہ مولوی ابو المنصور دہلوی کی تمام کتب پڑھ ڈالیں ۔

مولوی صاحب فراخ دل اور بے تعصب انسان تھے ۔ انہوں نے مناظراتی ادب کا بھی بےلاگ مطالعہ کیا جس سے آپ کو اندازہ ہوا کہ علمائے اسلام معترضین کو تسلی بخش جواب نہیں دے سکے ۔

۱۔ خطوط سرسید احمد خان۔ نقوش (خطوط نمبر) اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء ، ص ۹۳ ۔
۲۔ بحوالہ " مولوی سید ممتاز علی " شمولہ تہذیب نسواں ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۶۱۰ ۔
۳۔ بحوالہ " مولوی سید ممتاز علی " مصنفہ حفیظ جالندھری مشمولہ تہذیب نسواں ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۶۱۰ ، عبدالمجید سالک ، روزنامہ انقلاب ، ۱۹ جون ۱۹۳۵ء ، ص ۳ ۔
(۴) مکاتیب سرسید مرتبہ اسماعیل پانی پتی ، ص ۳۷۵ ، خطوط سرسید مطبوعہ نقوش ، اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء ، ص ۱۴۳ ۔

سکے - انہوں نے مختلف علما سے محولہ بالا مسئلے کا حل دریافت کیا مگر تشفی نہ ہوئی لہذا وہ عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دینے لگے - ۱۸۷۷ء میں جب وہ دسویں جماعت کے طالب علم تھے، تو ایک دن ان کے بنگالی استاد ، بابو چندر ناتھ متر[1] نے اسلام کی بہت زیادہ تعریف و تحسین کی - کلاس کے خاتمہ پر انہوں نے ماسٹر صاحب سے پوچھا ، آپ نے اسلام کے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ، کیا اس پر آپ کا ایمان ہے ؟ مجھے تو مسلمان ہونے کے باوجود مذہب اسلام میں کوئی خاص خوبی نہیں دکھائی دیتی - اس کے برعکس مسیحیت زیادہ پرکشش معلوم ہوتی ہے - یہ بات سن کر بابو صاحب نے فرمایا ، " سنو ، ممتاز علی --- ! یہ تمہاری سخت غلطی ہے کہ تم عیسائی مذہب کو اسلام سے بہتر سمجھتے ہو " - اس واقعے کے بعد بابو چندر ناتھ متر نے آپ کو چند انصاف پسند عیسائی مصنفین کی تصنیف کردہ اسلامی کتب پڑھنے کے لئے دیں جن سے وہ کسی قدر متاثر ہوئے - پھر ماسٹر صاحب نے سرسید کی تصانیف کے مطالعے کے بارے میں پوچھا لیکن اس وقت تک ان کی کوئی کتاب آپ کی نظر سے نہ گزری تھی - چنانچہ چندر ناتھ متر صاحب کی ہدایت پر مولوی صاحب نے سرسید کو اپنے مذہبی شکوک و شبہات کے بارے میں مفصل خط لکھا -

مذکورہ واقعات کی نشان دہی کے بعد حفیظ صاحب فرماتے ہیں کہ سرسید ان کا خط پڑھ کر گھبرا گئے ، مبادا یہ لڑکا عیسائی ہو جائے - ان دنوں انہیں شملہ کا سفر درپیش تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے ممتاز علی کو تاکیدی خط لکھا کہ وہ انبالے آ کر ان سے ملاقات کریں ، مگر یہ سفر التوا میں پڑ گیا - چنانچہ سرسید نے انہیں کلکتے آنے کی دعوت دی اور خاندانی حالات سے لاعلمی کی بنا پر انہیں کرائے اور سفر خرچ کی پیش کش بھی کی -[2] درحقیقت حفیظ صاحب نے اس واقعے میں نہ صرف رنگ آمیزی کی ہے بلکہ کئی اہم واقعات کو خلط ملط کر دیا ہے - یہ ملاقات ۱۸۷۹ء میں سرسیّد سے تعلیمی و پیشہ ورانہ رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کلکتے میں ہوئی تھی جس کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں ہوگا - علاوہ ازیں سرسید کے ابتدائی خطوط مرسلہ ۱۸۷۷ء سے

۱- بابو چندر ناتھ متر بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار بھی رہے ، آپ نہایت وسیع النظر تھے اور اپنے طلبا سے اکثر و بیشتر مذہبی مسائل پر گفتگو فرماتے تھے - (راقمہ) ۔

۲- حفیظ جالندھری " مولوی سید ممتاز علی " مشمولہ تہذیب نسواں ، جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۲۱۱ ، ۲۱۲ ۔

کسی پریشانی و تردد کا اظہار نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی سفر خرچ و کرائے کی پیش کش کا ذکر ہے کیونکہ اس وقت تک وہ ان کے بیشتر حالات سے آگاہ تھے -

۱۸۷۷ء میں پہلی بار جب سید ممتاز علی نے سرسید سے بذریعۂ مراسلت رابطہ قائم کیا تو وہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں بےحد مصروف تھے اور عدیم الفرصتی کے باعث فوری طور پر خط کا مفصّل جواب نہیں دے سکتے تھے لہذا انہوں نے ممتاز علی کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ان کی تفسیر کا بغور مطالعہ کرتے رہیں جس میں موقعہ و محل کے لحاظ سے ان کے بیان کردہ شکوک و شبہات پر بحث آئیں گے - سرسید کے خط کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

> " ان سب شبہات کی نسبت جو کچھ میری رائے ہے وہ موقع بموقع تفسیر میں آوے گی ...... یہ ایسے امور نہیں ہیں کہ خطوط میں طے ہوں- آپ کے دل میں جو شبہات آئیں آپ تحریر کر کے بھیجتے جاویں ، میں ان کا جواب بالتحقیق جو میرے دل میں ہے تفسیر میں بمقامات مناسب لکھوں گا - مگر علیحدہ جواب لکھنے کی مجھے فرصت نہیں ہے ...... آپ کے عنایت نامجات ایسے سوالات پر مبنی ہوتے ہیں کہ ہر ایک کے جواب میں رسالہ لکھا چاوے ...... تمام امور جو آپ نے ارقام فرمائے ہیں ، انشا اللّٰہ غور ہو گی " [۱]

سرسید احمد خان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے جو اجزا چھپتے جاتے تھے ، میر صاحب اس کا مطالعہ کرتے جاتے تھے اور " تہذیب الاخلاق " و " علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ " بھی پابندی سے پڑھتے تھے - ان پرچوں ، بالخصوص " تہذیب الاخلاق " و " سفیر ہند " کے لیے آپ نے اپنی ذہانت اور علمی قابلیت سے ایسے مضامین تحریر کئے جنہیں سرسید نے بھی بےحد پسند کیا اور بے ساختہ داد دی - [۲] بڑے بڑے ملکی اخبارات مثلاً "سفیر ہندوستان" امرتسر ، پنجابی اخبار اور

۱- سرسید احمد خان ، خطوط سرسید احمد خان مطبوعہ نقوش اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء ، ص ۹۱ ، ۹۲ ۔

۲- ملاحظہ ہو : تہذیب نسواں جولائی ۱۹۳۵ء ، ص ۲۱۲ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، خطوط سرسید مطبوعہ نقوش اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء ، ص ۹۳ ، ۹۶ ۔

اخبار انجمن پنجاب سے رابطہ قائم کرنے نیز مذکورہ اخبارات میں تہذیب الاخلاق پر تنقید و تبصرہ شائع کرانے کا مشورہ دیا تاکہ مضمون نویسی کی مشق سے تحریر میں پختگی پیدا ہو -

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے سرسید نے ان کی صلاحیتیں پرکھ لی تھیں اور ان کی ذات سے بہت سی قومی توقعات وابستہ کر چکے تھے - ایک خط میں لکھتے ہیں :

" آپ سے ایک خاص محبت اس خیال پر رکھتا ہوں کہ مجھ کو آپ سے قومی فائدہ پہنچنے کی توقع ہے - خدا آپ کو زندہ رکھے اور بوڑھا کرے اور میرا جو خیال آپ کی نسبت ہے اس کو پورا کرے ..... شکر خدا کا کہ ہماری قوم میں تم سا نوجوان لائق پیدا ہوا ..... خدا تم کو زندہ رکھے اور جیسی ہم کو امید تمہاری ذات سے قوم کی بھلائی کی ہے خدا اس کو پورا کرے " [1]

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سرسید ان کی قومی ، تعلیمی اور پیشہ ورانہ رہنمائی میں بھی بے حد دلچسپی لینے لگے تھے - ترغیب و تشویق کا یہ انداز ملاحظہ ہو :

" انگریزی علوم علی الخصوص لٹریچر کی تحصیل میں زیادہ محنت کرو .... یونیورسٹی کی تعلیم میں اس قدر محنت کرو کہ بی اے کی ڈگری حاصل کر لو، یہ ایسی دولت ہوگی جس سے مسلمانوں کو تمہاری ذات پر فخر ہوگا ..... احسان ... بہتری قوم کی نسبت جو کام اس سے ہو سکے وہ کرتا رہے ..... اب فرمائیے ..... قومی بھلائی کا کیا کام اختیار کیا ہے " [2]

ستمبر ۱۸۷۹ء سے سرسید اس امر کی تحریک کر رہے تھے کہ ممتاز علی انڈین سول سروس میں منتخب ہو جائیں اور اعلی تعلیم کے لئے برطانیہ بھی جا سکیں - چونکہ تمام امور خط میں طے نہیں ہو سکتے تھے اس لئے سرسید، شملہ سے واپسی پر کیمپ انبالہ ہوٹل میں ملاقات کے لئے رکے لیکن مولوی صاحب

۱- سرسید احمد خان ، خطوط سرسید مطبوعہ نقوش اپریل ، مئی ۱۹۶۸ء ، ص ۹۶ ، ۹۷ ،

۲- ایضاً - ~~ص ۹۷~~ ، ۱۰۰ ، ۱۲۶ ایضاً ص ۹۷ ، ۱۰۰ ، ۱۲۶